عہدِ نبوی ﷺ میں سماجی انصاف اور عدل کی بالادستی کا تصوّر، تحقیقی اور تقابلی تجزیہ

The supremacy of justice and equity in the light of the prophetpbuh’s philosophy

☆ڈاکٹر حافظ محمد ثانی

صدر شعبہ قرآن وسنہ /ڈائریکٹر سیرت چیئر وفاقی اردو یونیورسٹی، عبدالحق کیمپس، کراچی

☆☆ڈاکٹر عابدہ پروین

ڈائریکٹر شیخ زید اسلامک سینٹر، جامعہ کراچی

Abstract:

It is a historical and undeniable reality that the Prophet of Islam, Muhammad (PBUH), is the benefactor of humanity and a great savoir. He, with the establishment of the Islamic welfare of Madina, presented such philosophy and concept of impartial equity, unbiast justice and domination of equity and distinct of which the whole destiny does not has any example. His concept of justice and equities, no doubt is based on the establishment of the domination of justice and a comprehension system of it. It does not hence any discrimination on the basis of colour, race, nation, tribe, company, nationality and even religion. In an Islamic state every person, without any discrimination of religion and nationality has the right to have his life with complete freedom, respect and honour, justice and equity the exemplary society the Prophet (Peace Be Upon Him) had established it was based on justice and equity. His exemplary, matchless teachings brought up the importance of justice and equity, and his philosophy of justice and equity, domination of justice and the complete freedom of judiciary and impartiality, points out them as the salient features.

Key words: highlights, historical, fact, comprehensive, style, philosophy, Holy, Prophet, justice, equity.

یہ ایک تاریخ ساز حقیقت ہے کہ پیغمبرِ اسلام، سرورِ کونین، حضرت محمد ﷺ نے "ریاستِ مدینہ" کے قیام کے ساتھ ہی عدل و مساوات کے قیام، بے لاگ عدل، غیر جانب دار عدلیہ، عدلِ اجتماعی اور عدل کی بالادستی کا وہ فلسفہ اور نظریہ پیش کیا جس کی پوری تاریخ میں مثال نہیں ملتی، رسول اللہ ﷺ کی مثالی تعلیمات عدل و انصاف کو اجاگر کرتی اور آپ ﷺ کا فلسفۂ عدل، سماجی انصاف ،عدل کی بالادستی، عدلیہ کی آزادی اور غیر جانب داری کی پوری طرح نشاندہی کرتے نظر آتے ہیں، اس کی عظمت و اہمیت کا اظہار اس تناظر میں دیکھا جاسکتا ہے کہ طلوعِ اسلام سے قبل عہدِ جاہلیت کے عرب معاشرے میں کسی مرکزی حکومت کی شیرازہ بندی نہ تھی۔ ان کی اجتماعی زندگی کی بنیاد قبیلے اور قبائلی عصبیت پر تھی۔ ہر فرد اپنے قبیلے سے وابستہ تھا، خواہ قرابت داری کے ذریعہ ہو یا باہمی عہد وپیمان کے واسطے سے۔ چنانچہ وہ اپنے قبیلے کی جانب داری کرتا تھا۔ قبائل اور رشتہ داریوں کی بنیاد پر عصبیت اور جتھ بندی عرب میں بڑی سخت تھی اور اس عصبیت کی بنیاد جاہلی مزاج تھا' جس کی روح اس مشہور جملے سے شروع ہوتی ہے!"انصر اخاک ظالماً اومظلوما" اپنے بھائی کی مدد کرو خواہ وہ ظالم ہو یا مظلوم' چنانچہ وہ اپنے حلیف اور بھائی کی ہر حال میں مدد کرنا ضروری سمجھتے تھے خواہ وہ برسرِ حق ہو یا برسرِ باطل۔

یہ صورتحال صرف عرب معاشرے تک محدود نہ تھی بلکہ بعثتِ نبویؐ کے وقت پوری انسانی دنیا میں شرافت و اخلاق کی اعلیٰ اقدار اور عدل و انصاف کے فقدان کا یہی عالم تھا۔ مولانا سید ابوالحسن علی ندوی اس تاریخی حقیقت پر تبصرہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں!"خلاصہ یہ ہے کہ اس صدی میں روئے زمین پر کوئی ایسی قوم نظر نہیں آتی تھی جو مزاج کے اعتبار سے صالح کہی جاسکے' اور نہ ایسی کوئی سوسائٹی تھی جو شرافت و اخلاق کے اعلیٰ قدروں کی حامل ہو' نہ ایسی کوئی حکومت تھی جس کی بنیاد عدل و انصاف اور رحم پر ہو[1]۔

تاریخ انسانی کے اس تاریک ترین دور میں دنیا کی سپر ریاستوں یونان' ترکی' فارس' روم' اور حبش کے فرمانروا پر شکوہ خطابات کے ساتھ دنیا کے اجتماعی نظام پر قابض تھے۔ یونان کا شہنشاہ "بطلیموس" کے لقب سے سرفراز تھا۔ ترکوں کا "خاقان" کے لقب سے، فارس کے شہنشاہ کا لقب "کسریٰ" تھا' روم کے شہنشاہ کا "قیصر" اور حبش کے شہنشاہ کا "نجاشی"۔ انسانی سوسائٹی جابر و قاہر شخصی حکومتوں اور غرور سے بھرے ہوئے خطاب یافتہ حکمرانوں کے شکنجۂ ظلم و استبداد میں عدل و انصاف اور انسانی مساوات کے فقدان کے باعث قریب بہ مرگ تھی۔

" عہدِ نبوی ﷺ کے آغاز پر دنیا میں بڑی بڑی متمدن سلطنتیں موجود تھیں' مدائن کے ایرانی' قسطنطنیہ کے بیزنطینی اور خانبالغ کے چینی، دنیا کے تین بڑوں پر مشتمل تھی۔ انسانی دماغ اہرام مصر بھی بنا چکا تھا۔ ایلورہ اجنٹہ بھی اور آیا صوفیا بھی۔ توریت کی

گرمی بھی دنیا میں آچکی تھی' زبور کی شاعری بھی' انجیل کی نرمی بھی' وید کی (ذات پات کی) تقسیم انگیزی کا بھی انسان تجربہ کر کے نتیجہ دیکھ چکا تھا۔ کاوٹیلیا کی ارتھ شاستر بھی لکھی جاچکی تھی اور ارسطو کی پالیٹکس بھی' مہابھارت بھی' اور الیڈ واڈیسے بھی' غرض مذہب فنون لطیفہ' تعمیرات' ادبیات' سیاست' صناعی غرض ہر شعبہ ان مدارج پر پہنچ چکا تھا کہ ان کی عظمت آج بھی کسی کے سامنے شرمندہ نہیں۔ لیکن ان ذہنی کمالات کے ساتھ روحانی زوالات بھی کم نہ تھے۔ ایرانیوں کو اپنے گورے رنگ پر اتنا ناز تھا کہ حبشیوں اور ہندوئوں کو کوّے کہا کرتے تھے۔ عربوں کو اپنی زبان کی ساخت اور مفہوم کی ادائیگی کی صلاحیت پر اتنا ناز تھا کہ اپنی سوا ساری دنیا کو گونگا کہا کرتے تھے[2]۔

اس دور تاریک پر جسے قرون مظلمہ (DARK AGES) کے تاریخی نام سے یاد کیا جاتا ہے۔ مغربی دنیا کا مشہور دانشور جے ایچ ڈینی سن (J.H. DENISON) اس عہد پر تبصرہ کرتے ہوئے لکھتا ہے! "پانچویں اور چھٹی صدی عیسوی میں مہذب دنیا افراتفری کے دہانے پر کھڑی تھی۔ ایسا معلوم ہوتا تھا کہ چار ہزار سال کی مدت میں جس تہذیب نے بال و پر نکالے تھے وہ منتشر ہونے والی ہے اور انسان (عدل و انصاف اور مساوات کے فقدان کے باعث) پھر اسی بربریت کی جانب لوٹ جانے والا ہے جس میں ہر قبیلہ اور ہر گروہ ایک دوسرے کے خلاف برسرپیکار ہو جائے"[3]۔

ڈاکٹر صبحی محمصانی اس عہد کے نظامِ عدل و انصاف پر تبصرہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں! اس زمانے میں قوانین کا نفاذ قبیلے کی رائے عامہ اور اس کے سردار کے اقتدار پر موقوف تھا اور کبھی یہ مصداق جس کی لاٹھی اس کی بھینس' انفرادی اقتدار پر بھی"[4]۔

زمانۂ جاہلیت میں عرب کے بدوی قبائل میں کوئی حکمران' کوئی حکومت نہ تھی' کوئی عدالت بھی نہیں ہوا کرتی تھی' لہٰذا کسی شخص کو انصاف حاصل کرنے کے لئے کسی کے پاس جاکر شکایت کرنے کا کوئی امکان نہ تھا۔ مظلوم کیا کرے "دست خود دھان خود" ہر شخص اپنی بساط کے مطابق اپنے ظالم سے بدلہ لے گا۔ اگر ظالم کمزور ہو تو بدلہ آسان تھا لیکن اگر ظالم قوی تر ہو تو کمزور کے لئے کوئی امکان نہیں تھا کہ وہ انصاف حاصل کر سکے[5]۔

بعثت نبویؐ اور نزول قرآن کے دیگر مقاصد کے ساتھ ساتھ ایک اہم مقصد "عدل و انصاف" کے قیام کی طرف اشارہ کرتے ہوئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو حکم ہوتا ہے!

﴿إِنَّا أَنْزَلْنَا إِلَيْكَ الْكِتَابَ بِالْحَقِّ لِتَحْكُمَ بَيْنَ النَّاسِ بِمَا أَرَاكَ اللَّهُ وَلَا تَكُنْ لِلْخَائِنِينَ خَصِيمًا﴾[6]

ہم نے یہ کتاب حق کے ساتھ آپ ﷺ پر نازل کی تاکہ جیسا کہ خدا نے آپ ﷺ کو سمجھایا ہے اس کے مطابق لوگوں میں انصاف کے ساتھ فیصلہ کیا کریں اور دغابازوں کے حامی نہ بنیں۔

عدل و انصاف کے قیام میں رسولِ اکرم ﷺ کا کردار تاریخ انسانی کا مثالی شاہکار ہے۔ اس حوالے سے آپ ﷺ کا تاریخی کردار بعثت کے بعد عدل و انصاف کے عملی نفاذ کے حوالے سے تاریخ عدل وانصاف کا سنہرا باب ہے۔ تاہم سید المرسلین ﷺ کا زمانہ قبل از نبوت بھی اس تاریخی اور مثالی جدوجہد کا عملی شاہکار ہے، اس کی ایک جھلک "معاہدہ حلف الفضول ذوالقعدہ ۷ ۳ قبل ہجری / دسمبر ۵۸۶ء میں دیکھی جاسکتی ہے۔

" معاہدہ حلف الفضول" سرزمین عرب بالخصوص مکہ کی ریاست میں عرب تاریخ میں پہلی مرتبہ قیام امن' بنیادی انسانی حقوق' مظلوموں اور بے کسوں کی دادرسی کا پہلا تاریخ ساز معاہدہ ہے جس میں شریک ہونے والے رضاکار متحدہ طور سے اپنے شہر مکہ میں ظالموں کا ہاتھ روکتے اور مظلوموں کا حق دلاتے [8]۔

بیشتر مورخین اور سیرت نگار معاہدہ حلف الفضول کا محرک عہد جاہلیت کے ایک مخصوص واقعہ کو قرار دیتے ہیں وہ یہ کہ بنو زبید کا ایک شخص مکہ میں کچھ مال بغرض تجارت لایا جسے عاص بن وائل نے خرید لیا لیکن اس کی قیمت ادا نہ کی وہ دادرسی کی غرض سے مدّعی بن کر قبائل قریش میں فریاد لے کر گیا' مگر عاص بن وائل نے وجاہت سے اس کی فریادرسی کی کسی کو ہمت نہ ہوتی تھی۔ ایک صبح جب قریش خانہ کعبہ کے گرد جمع تھے تو اس تاجر نے چند شاکیانہ اور دردمندانہ اشعار پڑھ کر اپنی بے بسی ظاہر کی جس کے نتیجے میں معاہدہ "حلف الفضول" عمل میں آیا[9]۔

جب کہ سید امیر علی نے ایک اور واقعہ کو اس کا سبب قرار دیا ہے! جس میں قبیلہ بنی قین کا مشہور شاعر حنظلہ اگرچہ ایک ہی مرتبہ قریش کے عبداللہ بن جدعان کے زیرِ حمایت مکہ آیا لیکن اس کے باوجود سرِ بازار لٹ گیا۔ بے آئینی کے ایک اور واقعہ نے ایسی نازک صورتحال اختیار کرلی کہ اس کا تدارک ضروری ہوگیا[10]۔

چنانچہ انسانیت کے محسنِ اعظم ﷺ کی تحریک اور کوششوں کے نتیجے میں بنوہاشم' بنو عبدالمطلب' بنو اسد بن العزیٰ' بنو زہرہ بن کلاب اور بنو تیم بن مرّہ عبداللہ بن جدعان جو اپنی قوم کے سردار تھے ان کے گھر جمع ہوئے اور معاہدہ "حلف الفضول" طے پایا [11]۔

ڈاکٹر حمید اللہ لکھتے ہیں! اس معاہدہ "حلف الفضول" میں ایک رضاکار جماعت شریک ہوئی جس کا مقصد تھا حدود شہر میں ہر مظلوم کی خواہ وہ شہری ہو یا کہ اجنبی، مدد کرنا اور اس وقت تک چین سے نہ بیٹھنا جب تک ظالم حق رسانی نہ کرے[12]۔

زبیر بن عبد المطلب نے جو رسالت مآب ﷺ کے چچا ہیں اپنے بعض اشعار میں اس معاہدے کا ذکر اس طرح کیا ہے!

ان الفضول تحالفوا وتعاقدوا ان لایقیم ببطن مکّة ظالم

فضول (فضل بن وداعہ، فضل بن فضالہ اور فضیل بن حارث) نے سب سے اس امر پر عہد اور حلف لیا کہ مکے میں کوئی ظالم نہ رہ سکے گا۔

أمر علیه تعاهدوا و تواثقوا فالجارو المعتر فیهم سالم

اس پر سب نے پختہ عہد کیا کہ پس مکہ میں پڑوسی اور آنے والا سب مامون اور محفوظ ہوں[13]۔

اس غیر تحریری تاریخی معاہدے کے ممبران و شرکاء نے قیام امن' انسانی حقوق کے تحفظ' عدل و انصاف کے قیام اور پر امن بقائے باہمی کے اصولوں کو مدّ نظر رکھتے ہوئے مندرجہ ذیل امور کی انجام دہی اور تحفظ کے لئے اپنی ذمہ داریوں کا تعین اور اس کے نفاذ کے لئے ہر ممکن اقدامات کا اعلان کیا جس کی اہم دفعات درج ذیل تھیں۔

۱۔ مکے سے بد امنی دور کی جائے گی۔

۲۔ مسافروں کے تحفظ کو یقینی بنایا جائے گا۔

۳۔ مظلوموں کی امداد کی جائے گی خواہ وہ مکے کے باشندے ہوں یا اجنبی،

۴۔ زبردست کو زیر دست پر ظلم و زیادتی سے روکا جائے گا[14]۔

آنحضرت ﷺ اس انجمن کے رکن اعلیٰ تھے' اس کی بدولت کمزوروں اور مظلوموں کو بڑی حد تک امن و امان نصیب ہوگیا۔ اپنے قیام کے پہلے ہی سال میں اسے اتنا رعب و داب نصیب ہوگیا تھا کہ اس کی طرف سے کسی معاملے میں مداخلت کا اشارہ زبردستوں کی بے آئینی روکنے اور زیر دستوں کے نقصانات کی تلافی کرانے کے لئے کافی ہوتا تھا[15]۔

محسن انسانیت ﷺ نے اس تاریخ ساز معاہدہ عدل و انصاف میں بھرپور اور فعّال کردار ادا کیا۔ رسالت مآب ﷺ کی نگاہ قدر شناس میں اس معاہدے کی اہمیت اور قدر و منزلت کا اندازہ اس بات سے لگایا جاسکتا ہے کہ عہد نبوت میں ایک موقعہ پر آپ ﷺ نے فرمایا! "اس معاہدے کے مقابلے میں اگر مجھے سرخ اونٹ بھی دیئے جاتے تو میں نہ بدلتا۔ اور آج بھی ایسے معاہدے کے لئے کوئی بلائے تو میں شرکت کے لئے تیار ہوں"[16]۔

قاضی سلیمان منصور پوری اس معاہدے کی اہمیت کے متعلق لکھتے ہیں! انگلستان میں "نائٹ ھڈ" کا آرڈر جس کے ممبران قریباً یہی اقرار کیا کرتے تھے، اس معاہدے کے کئی صدیوں بعد قائم ہوا تھا[17]۔

ڈاکٹر حمید اللہ لکھتے ہیں! یہ ممکن تھا کہ "حلف الفضول" کا ادارہ ترقی کرکے ایک مستقل نظام کی حیثیت اختیار کرلیتا لیکن جلد ہی اسلام کا زمانہ آگیا جس کے بعد یہ ادارہ غیر ضروری ہوگیا کیونکہ اسلامی حکومت نے ایک نہایت منظم مرکزی نظام عدالت قائم کرلیا۔ اور خود عہد نبویؐ میں پورا جزیرہ نمائے عرب اور جنوبی فلسطین اس مرکزی نظام عدالت کے تحت آچکے تھے[18]۔

بعثت نبویؐ کے بعد عدل و انصاف کے قیام میں رسول اکرم ﷺ کا کردار

بعثت نبویؐ ر طلوع اسلام کے بعد اسلام نے جس تفصیل کے ساتھ عدل و انصاف کے عملی قیام اور اس کے پہلوئوں کو واضح کرتے ہوئے اس کی اہمیت کا اظہار کیا اس کی مثال دیگر مذاہب میں نہیں مل سکتی۔

اسلامی عقیدے کی رو سے سب سے بڑا عادل خود اللہ تعالیٰ ہے۔ عدل اس کے اسمائے حسنیٰ میں سے ہے اور وہ اپنے عدل ہی سے کارخانۂ عالم کو سنبھالے ہوئے ہے۔

﴿شَهِدَ اللَّهُ أَنَّهُ لَا إِلَٰهَ إِلَّا هُوَ وَالْمَلَائِكَةُ وَأُولُو الْعِلْمِ قَائِمًا بِالْقِسْطِ﴾[19]۔

اللہ اس کی گواہی دیتا ہے کہ اس کے سوا کوئی معبود نہیں اور فرشتے اور علم والے بھی گواہی دیتے ہیں کہ اللہ عدل و انصاف کے ساتھ کارخانۂ عالم کو سنبھالے ہوئے ہے۔

انسانیت کے تاجدار عدل و انصاف کے مثالی علمبردار رسالت مآب ﷺ کے دیگر مقاصد بعثت کے ساتھ ساتھ قرآن کریم میں ایک مقام پر نزول قرآن اور آپ ﷺ کا مقصد بعثت بیان کرتے ہوئے ارشاد فرمایا گیا!

﴿إِنَّا أَنْزَلْنَا إِلَيْكَ الْكِتَابَ بِالْحَقِّ لِتَحْكُمَ بَيْنَ النَّاسِ بِمَا أَرَاكَ اللَّهُ وَلَا تَكُنْ لِلْخَائِنِينَ خَصِيمًا﴾[20]۔

"بے شک ہم نے یہ کتاب حق کے ساتھ آپ ﷺ پر نازل کی تاکہ جیسا کہ آپ ﷺ کو اللہ نے سمجھایا ہے، اس کے مطابق لوگوں میں انصاف کے ساتھ فیصلہ کیا کریں اور دغابازوں کے حامی نہ بنیں"۔

آغازِ اسلام میں مکہ میں جو لوگ اسلام قبول کرتے رہے ان کی تعداد بہت آہستہ بڑھی' وہ تھے سارے ہی قبیلوں کے اور انہوں نے مملکت کے اندر ایک مملکت بنالی تھی۔ وہ مکہ شہر میں رہتے تھے لیکن اگر انہیں عدالتی مسئلے کی ضرورت پیش آتی تو وہ رسالت مآب ﷺ سے رجوع کرتے جو ان کے قانون ساز بھی تھے' حاکم عدالت بھی 'کمانڈر انچیف بھی اور حکمران بھی[21]۔

ریاستِ مدینہ کا قیام اور عدل و انصاف کا مثالی عادلانہ نظام

جہاں تک مدینے کا تعلق ہے وہاں سوائے اس کے کوئی امکان نہ تھا کہ ہر شخص اپنی مدد آپ کرے۔ ان حالات میں رسول اللہ ﷺ کے مدینہ تشریف لانے کے بعد جب شہری مملکت قائم ہوئی تو رسول اللہ ﷺ نے اس کا دستور مدوّن فرمایا، اس میں ایک عجیب حکم یہ دیا گیا جسے انقلابی نوعیت کا کہا جاسکتا ہے وہ یہ کہ انصاف رسانی بجائے انفرادی کے مرکزی شے قرار دے دی گئی یعنی اگر کسی کو نقصان پہنچے تو وہ براہِ راست مجرم کو سزا نہیں دے گا بلکہ مرکزی عدالت سے رجوع کرنے کا حکم حاکم عدالت (رسول اللہ ﷺ) حالات سن کر بغیر رعایت کے پوری غیر جانبداری کے ساتھ مقدمے کا فیصلہ کریں گے اور ظالم کو سزا دے کر مظلوم کو اس کا حق دلائیں گے۔ ان حالات میں ہم دیکھتے ہیں کہ مدینے کی حد تک ایک انقلابی حکم دیا گیا اور انصاف جو وہاں انفرادی کام تھا اس کو مرکزی اور حکومتی فرض قرار دیا گیا[22]۔

رسالت مآب ﷺ کے مدینہ تشریف آوری کے چند ہی ہفتوں کے اندر اس شہر کی کایا پلٹ گئی۔ یہاں کی قدیم آبادی میں جو خانہ جنگی اور چو مکھی لڑائی عرصے سے جاری تھی وہ ختم ہو گئی۔ مہاجرینِ مکہ 'مسلمانانِ مدینہ' مدینہ کے غیر مسلم عرب اور یہودی قبائل ان چاروں عناصر نے ایک وفاقی شہری مملکت قائم کی جس کا تحریری دستور (میثاقِ مدینہ) ہم تک محفوظ چلا آرہا ہے۔ ۵۲ دفعات کے اس وفاقی دستور میں آخری سماعت مرفعہ اور اعلیٰ اختیارات جنگ و صلح دونوں امور رسالت مآب ﷺ کو دینے پر سب نے اتفاق کیا[23]۔

ابتداء میں مسلمانوں کی تقریباً ساری آبادی مدینے میں تھی ان کی تعداد چند سو سے زیادہ نہ تھی۔ ہر فرد کو اجازت تھی کہ اعلیٰ ترین افسر عدالت حکمران ملک یعنی رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہو کر اپنی شکایات اور مقدمات پیش کرے اور فیصلہ پالے۔ بعد ازاں جب مملکت کی توسیع ہوئی تو مختلف مقامات پر عدالتی انتظامات کی ضرورت پیش آئی[24]۔

"میثاقِ مدینہ" ریاستِ مدینہ کے عدالتی نظام کا حرفِ آغاز

عرب میں عام طور پر اور مدینے میں خاص طور پر جو مرکز گریزی تھی اس کا علاج مقنن اعظم حضرت محمد ﷺ نے یہ تجویز کیا کہ "ایک حکمران، ایک قانون اس سلسلے میں "میثاقِ مدینہ" نے ایک نہایت اہم اور عرب کے لئے انقلابی اصلاح و ترقی یہ دی کہ لوگ اپنے حقوق اپنی یا زیادہ سے زیادہ اپنے خاندان و قبیلے کی مدد سے حاصل کرنے کی جگہ انصاف رسانی کو ایک مرکزی اور قومی ادارہ بنادیں۔ یہ عہد آفریں کارنامہ اس دستاویز میں رکارڈ میں لایا گیا ہے جس نے قبائلیت کی افراتفری کا ہمیشہ کے لئے خاتمہ کر دیا اور ایک وسیع تر ادارے یعنی مملکت کی بنیاد ڈالی' اس تاریخ ساز دستاویز میں نبی اکرم ﷺ نے عدالتی' تشریعی' فوجی اور تنفیذی اختیارات اپنے لئے محفوظ فرمالئے مگر ایک نہایت اہم اور قابلِ ذکر فرق اس اقتدار و دیگر ممالک کے مستبدانہ شاہی اقتدار میں یہ تھا کہ یہاں مادّیت کو دخل نہ تھا۔ آپ ﷺ نے سیاست میں اخلاقی عناصر داخل کئے۔ اصل سرچشمۂ اقتدار ذات واحد اللہ تعالیٰ کو قرار دیا تو اپنے آپ کو اس کا رسول اور نائب' اور ساتھ ہی امت کے لئے لائے ہوئے احکام اپنے اوپر بھی مساوی طور پر واجب التعمیل قرار دیئے۔

اور عہدِ نبویؐ میں ذات اقدسؐ کے خلاف دیوانی اور ٹارٹ ضمان کے جو مقدمات دائر ہوئے ان کی موجودگی میں کہا جاسکتا ہے کہ اسلام نے (KING CAN DO NOT WRONG) حاکم وقت (بادشاہ) کسی فعل ناجائز کا مرتکب ہو ہی نہیں سکتا کو مسترد کر دیا۔ اور جب مملکت کا قوی ترین شخص قانون کی خلاف ورزی پر عدالت کی دارو گیر سے محفوظ نہ رہے تو دیگر عہدیدار اور عام لوگ بھی تعمیل زیادہ توجہ کے ساتھ کریں گے[25]۔

"میثاقِ مدینہ" کے عدالتی نکات اور نظائر

" میثاقِ مدینہ "کے عدالتی نکات اور نظائر جو رسول اکرم ﷺ کی قانون سازی اور اسلامی ریاست کے قیام کے آغاز کے موقع پر آپ ﷺ کے قائدانہ کردار اور سیاسی بصیرت و فراست کا اظہار کرتے نظر آتے ہیں ذیل میں ان عدالتی فقرات کی ترتیب وار تحلیل کی جاتی ہے!

☆ ہر قبیلہ انصار اپنے افراد کے مالی مواخذہ جات کا اجتماعی طور سے ذمہ دار ہو گا۔ اگر کوئی فرد دشمن کے ہاتھوں گرفتار ہو تو اس قیدی کے قبیلے کے سب افراد مل کر فدیہ ادا کریں گے۔

☆ اس سلسلے میں انصار کے قبائل تو معین تھے لیکن مہاجرین مکہ سب مل کر ایک قبیلہ تصور کئے جائیں گے۔

☆ انصاف رسانی متضرر کے ہاتھوں میں نہیں رہے گی بلکہ وہ پوری جماعت مسلمانان کا فریضہ سمجھی جائے گی اور اس میں رشتے داری اور قرابت کے باعث پاس ولحاظ نہیں کیا جائے گا۔ اور کسی قاتل یا مجرم کو کوئی شخص پناہ نہیں دے سکے گا۔

☆ کسی مسلمان کا قتل عمد سزائے موت کا مستوجب ہو گا۔

☆ ہر قسم کے تنازع کے تصفئے کے لئے آنحضرت ﷺ کا فیصلہ قطعی اور آخری ہو گا۔ اور اسی طرح یہودیوں سے متعلق جو دفعات ہیں ان میں بیان کیا گیا ہے کہ فدیہ 'دیت' ولاء اور جوار کے ادارے حسب سابق بر قرار رہیں گے۔

☆ کوئی شخص قریش اور ان کے مدد گاروں کو اپنی پناہ میں لینے کا مجاز نہ ہو گا۔

☆ عدل گستری ایک مفاد عامہ کا معاملہ ہے اور کوئی شخص خود اپنے رشتے داروں کی بھی پاسداری نہ کر سکے گا۔

☆ آنحضرت ﷺ ہر قسم کے تنازعات میں آخری فیصلہ کریں گے۔

اس طرح انفرادی انتقام جوئی کی جگہ مرکزی عدل گستری کا ادارہ وجود میں آگیا اور یہ اختیار افراد ہی نہیں قبائل سے بھی چھین کر حکمران وقت (آنحضرت ﷺ) کے سپرد کیا گیا جو تفتیش اور غیر جانبداری کے پابند تھے[26]۔

ریاستِ مدینہ ابتداء میں ایک شہری مملکت تو تھی لیکن کامل شہر میں نہیں تھی بلکہ شہر کے ایک حصے میں قائم کی گئی تھی لیکن اس کی توسیع بڑی تیزی کے ساتھ ہوئی اس توسیع کا اندازہ اس سے لگایا جاسکتا ہے کہ صرف دس سال بعد جب رسالت مآب ﷺ کی وفات ہوئی اس وقت مدینہ ایک شہری مملکت نہیں بلکہ ایک وسیع مملکت کا دارالسلطنت تھا' اس وسیع سلطنت کا رقبہ تاریخی شواہد کی رو سے تین ملین یعنی تیس لاکھ مربع کلومیٹر پر مشتمل تھا دوسرے الفاظ میں دس سال تک اوسطاً روزانہ کوئی آٹھ سو پینتالیس مربع کلومیٹر علاقہ کا ملک کے رقبہ میں اضافہ ہوتا رہا[27]۔

مرکز مملکت (مدینہ) کی حد تک آنحضرت ﷺ پورا عدالتی کام خود انجام دیتے تھے لیکن جب اسلامی عملداری میں توسیع ہوئی اور انتظامی کام بڑھ گیا تو مدینے میں آنحضرت ﷺ نے چند قاضی مقرر فرمادیئے جن کے فیصلوں کے خلاف دربار نبوی ﷺ میں مرافعہ (اپیل) بھی ہوتی تھی۔ مدینے میں مستقل قاضیوں کے علاوہ کسی خاص شخص کو کسی خاص مقدمے کی سماعت کے لئے وقتی قاضی بنائے جانے کی بھی عہد نبویؐ میں متعدد نظائر ملتی ہیں نیز ان کے آنحضرت ﷺ کے پاس مرافعوں (اپیلوں) کی بھی[28]۔

عہد نبویؐ میں غیر مسلم اقلیتوں کے لئے شخصی قوانین کا نفاذ اور غیر جانب دار عدلیہ کا تصور:

قانون بین الاقوام کے ماہر معروف محقق اور سیرت نگار ڈاکٹر محمد حمید اللہ لکھتے ہیں!

قرآن مجید میں ہمیں یہ اصول ملتا ہے کہ ہر مذہبی کمیونٹی کو کامل داخلی خود مختاری دی جائے۔ تاکہ نہ صرف عقائد کی آزادی ہو اور اپنی عبادات اپنی طرز پر کرسکیں بلکہ اپنے ہی قانون اپنے ہی ججوں کے ذریعہ سے اپنے مقدمات کا فیصلہ بھی کرائیں۔ کامل داخلی خود مختاری کا ذکر قرآن کی کئی آیات میں ملتا ہے۔ ان احکام کے تحت عہدِ نبویؐ میں خود مختاری ساری آبادی کے ہر گروہ کو مل گئی تھی جس طرح مسلمان اپنے دین' عبادات' قانون، معاملات اور دیگر امور میں مکمل طور پر آزاد تھے اسی طرح دوسرے مذاہب وملّت (اہل ذمہ / غیر مسلم اقلیتوں) کو بھی کامل آزادی تھی[29]۔

معروف غیر مسلم سیرت نگار جان بیگٹ) (JOHN BAGOT) المعروف جنرل گلپ پاشا فوجی جنرل کی حیثیت سے طویل عرصے تک عرب میں رہا اس دوران اسے اسلام اور پیغمبر اسلامؐ کے بارے میں واضح حقائق جاننے کا موقع فراہم ہوا تب اس نے نبی اکرم ﷺ کی سیرت طیبہ پر "THE LIFE AND TIMSE OF MUHAMMAD " نامی کتاب لکھی مذکورہ کتاب میں موصوف ایک موقع پر) لکھتا ہے!

" مسلم نظریات کی رو سے تمام قوانین مذہب سے جنم لیتے ہیں' قانون کی اساس مذہب ہی فراہم کرتا ہے' مذہب ہی کے چشمے سے قانون کی ندیاں بہتی ہیں۔ مسلمانوں کے اپنے قانون کا ماخذ قرآن وحدیث ہے: اس لئے عیسائیوں اور یہودیوں کو جبراً مسلمان بنانے سے احتراز کیا گیا، اس منطق کے پیشِ نظر ان پر اسلامی قانون کے اطلاق کی شرط نہیں رکھی گئی[30]۔

"میثاقِ مدینہ" کی بدولت غیر مسلموں اور مختلف المذاہب افراد و اقوام کے حقوق و فرائض اور مذہبی آزادی و رواداری کا اصول وضع ہوا چنانچہ یہود مدینہ اور دیگر غیر مسلم اقلیتوں کو مذہبی رواداری پر مبنی اس تاریخی صحیفہ کی بدولت مندرجہ ذیل حقوق و مراعات حاصل ہوئیں!

1- اللہ کی ضمانت وحفاظت ہر فریق (معاہدہ) کو حاصل ہے۔

2- مت کے غیر مسلم ممبروں کو بھی مسلمانوں کی طرح سیاسی اور مذہبی حقوق حاصل ہیں۔ امت کے ہر گروہ کو مکمل مذہبی آزادی اور اندرونی خود مختاری حاصل ہے[31]۔

چنانچہ عہدِ نبویؐ میں ہر مذہبی جماعت (غیر مسلم اقلیتوں / اہل کتاب) کو داخلی خود مختاری حاصل تھی، عقائد اور عبادات ہی کے متعلق نہیں بلکہ قانون وعدلیہ کے متعلق بھی[32]۔

اہل کتاب غیر مسلموں کے مقدموں میں آنحضرت ﷺ ان کے شخصی قانون ہی کے مطابق فیصلے فرمایا کرتے تھے، چنانچہ یہودیوں کے تین مقدمات کا اکثر مورخین نے ذکر کیا ہے جن میں توریت پر عمل کرایا گیا۔ آنحضرت ﷺ کا یہ طرزِ عمل بعد ازاں مستقل قانون بن گیا کہ غیر مسلم رعایا اور مستأمنوں سے انکا شخصی قانون ہی متعلق ہو اور اس غرض کے لئے خصوصی عدالتیں بنائی جائیں، چنانچہ عہدِ خلافت راشدہ میں اس چیز نے خاصی ترقی کرلی تھی اور ان کی عدالتوں کے جج بھی ہم ملت ہی مقرر ہوتے تھے[33]۔

نظائر سے معلوم ہوتا ہے کہ یہودیوں کے مقدمات میں آنحضرت ﷺ ان کے شخصی قانون ہی کے مطابق فیصلے فرمایا کرتے تھے، جنگ و صلح کی طرح یہودیوں کی عدل گستری کو بھی صراحت کے ساتھ مرکزی مسئلہ قرار دیا گیا تھا[34]۔

یمن کے علاقے نجران کے عیسائی مدینہ منورہ آئے اور انہوں نے اسلامی مملکت کے ماتحت رہنے کو قبول کرلیا کچھ شرائط طے کیں کہ ہمارا گرجا برقرار رہے' اپنے گرجائوں کے پیشوائوں کو مقرر کرنے کا اختیار ہمیں حاصل ہو وغیرہ وغیرہ۔ آخر میں انہوں نے مسلمان حاکم عدالت کی غیر جانبداری پر اعتماد کرتے ہوئے رسول اللہ ﷺ سے درخواست کی کہ انہیں ایک مسلمان جج مہیا کیا جائے' چنانچہ رسول اکرم ﷺ حضرت ابوعبیدہ بن جراحؓ کو روانہ کرتے ہیں کہ وہ "امین ھٰذہ الامۃ" ہیں[35]۔

رسالت مآب ﷺ کے زمانے میں قریب قریب پورا جزیرۃ العرب زیر نگیں ہو چکا تھا، غیر مسلم رعایا کی حیثیت سے نجران کے عیسائیوں سے معاملہ پیش آیا، آپ ﷺ نے انہیں جو حقوق و مراعات عطا فرمائیں وہ غیر مسلم رعایا (اہل ذمہ) سے آپ ﷺ کی رواداری، مذہبی و داخلی خود مختاری اور عدالتی حقوق کی تاریخ میں مسلم حکمرانوں اور اسلامی تاریخ میں اہل ذمہ کے حقوق و مراعات اور ان سے معاملات کے حوالے سے ہمیشہ رہنما دستاویز قرار پائے گا۔

اس تاریخ ساز "معاہدہ نجران" سے حسب ذیل حقوق متعین ہوتے ہیں!

1- ان کی جان محفوظ رہے گی۔

۲- ان کی زمین، جائیداد اور مال وغیرہ ان کے قبضے میں رہے گا۔

۳- انکے کسی مذہبی نظام میں تبدیلی نہ کی جائے گی، مذہبی عہدیدار اپنے اپنے عہدوں پر برقرار رہیں گے۔

۴- صلیبوں اور مورتیوں کو نقصان نہ پہنچایا جائے گا۔

۵- ان کی کسی چیز پر قبضہ نہیں کیا جائے گا۔

۶- ان سے فوجی خدمت نہ لی جائے گی۔

۷- نہ پیداوار کا عشر لیا جائے گا۔

۸- ان کے ملک میں فوج نہ بھیجی جائے گی۔

۹- ان کے معاملات و مقدمات میں پورا پورا انصاف کیا جائے گا۔

۱۰- سود خوری کی اجازت نہ ہو گی۔

۱۱- ان پر کسی قسم کا ظلم نہ کیا جائے گا۔

۱۲- کوئی ناکردہ گناہ کسی مجرم کے بدلے میں نہ پکڑا جائے گا۔

۱۳- اور نہ کوئی ظالمانہ زحمت دی جائے گی[36]۔

اس زمانے کی مہذب حکومت اس سے زیادہ حقوق، آزادی اور خود مختاری اور کیا دی سکتی ہے۔ ان میں وہ تمام چیزیں آگئی ہیں جو ایک محکوم قوم کے حقوق کے تحفظ اور اس کی بامروت زندگی کے لئے ضروری ہیں، اس سے زیادہ حقوق خود اپنی حکومت بھی نہ دے سکتی۔ اس نام نہاد جمہوریت اور آزادی و مساوات کے دور میں غیر مذہب اور غیر قوم کے محکوموں کو جو حقوق حاصل ہیں ان پر یورپ کے محکوم قوموں کی تاریخ خود شاہد ہے۔

انسانیت کے محسن پیغمبر آخر و اعظم حضرت محمد ﷺ کی حیات طیبہ کا سب سے آخری فرض تمام دنیا میں اللہ تعالیٰ کی حاکمیت کا اعلان تھا۔ چنانچہ حجۃ الوداع (۹ ذی الحجہ ۱۰ھ بروز جمعہ / ۶ مارچ ۶۳۲ء میں آپ ﷺ نے ان بلیغ الفاظ میں اس کا اعلان فرمایا!

" الیوم استدار الزّماں کھیئتہ یوم خلق االله السّموات والارض"[37]۔

"آج زمانہ ہر پھر کر اسی مرکز پر آ گیا جس پر وہ اس دن تھا جب اللہ تعالیٰ نے آسمان و زمین کو پیدا کیا"۔

یہ ایک ایسا عظیم الشان انقلاب تھا جس نے تمام خود ساختہ قوانین، سیاسی تکلفات اور مظالم سے لبریز شاہانہ نظام ہائے سلطنت کو بیخ و بنیاد سے اکھاڑ پھینکا۔ اس انقلاب نے نہ صرف کسریٰ و قیصر کی شخصیتوں کا خاتمہ کر دیا بلکہ کسرویت اور قیصریت کو صفحۂ ہستی سے فنا کر دیا۔ یہی پیش گوئی ان الفاظ میں ظاہر ہوئی!

"اذاھلک کسریٰ فلا کسریٰ بعدہ، واذاھلک قیصر فلا قیصر بعدہ"[38]۔

جب کسریٰ ہلاک ہو گیا تو اس کے بعد کوئی کسریٰ نہیں۔ اور جب قیصر ہلاک ہو گیا تو اس کے بعد کوئی قیصر نہیں۔

اور اس کے بعد ایک ایسی عادلانہ سلطنت کی بنیاد ڈالی گئی جس کا قانون خدا کا قانون" جس کی حکومت خدا کی حکومت، اور جس میں ہر فرد ایک طرح سے خود ہی اپنا حاکم اور خود ہی اپنا محکوم تھا۔

اسی تاریخی حقیقت کا اعتراف "THE HISTORY AND CONQUESTS OF THE SARACENSE" کا مصنف مغربی مورّخ ایڈورڈ، اے۔ فری مین کرتے ہوئے لکھتا ہے!

" محمد ﷺ وہ عظیم مقنن تھے جن کی قسمت میں اپنے عہد کی دنیا کو مکمل طور پر بدل ڈالنا اور آنے والے تمام زمانوں میں دنیا پر اہم اثرات مرتب کرنا لکھ دیا گیا تھا"[39]۔

خاتم الانبیاء حضرت محمد ﷺ نے سیاست میں اخلاقی عناصر داخل کئے، اصل سرچشمۂ اقتدار خدا کو قرار دیا تو اپنی ذات کو اس کا رسول اور نائب اور ساتھ ہی امت کے لئے لائے ہوئے احکامات اپنے اوپر بھی مساوی طور پر واجب التعمیل قرار دیئے اور عہد نبویؐ میں ذات اقدسؐ کے خلاف (دیوانی اور ٹارٹ ضمان) کے جو مقدمات دائر ہوئے اس نے بادشاہ کسی فعل ناجائز کا مرتکب ہو ہی نہیں سکتا کے نظریئے کو مسترد کر دیا۔ اور جب ملک کا قوی ترین شخص قانون کی خلاف ورزی پر عدالتی دار و گیر سے محفوظ نہ رہ سکے تو دیگر عہدیدار اور عام لوگ بھی تعمیل زیادہ توجہ کے ساتھ کریں گے[40]۔

پیغمبرِ اسلامؐ نے حاکم و محکوم کی مساوات کا نظریہ پیش کیا، آنحضرت ﷺ نے خود اپنی ذات کے خلاف ٹارٹ اور دیوانی دونوں قسم کے مقدمات سنے اور مدّعیوں کے حق میں فیصلے صادر کئے[41]۔

رسول اکرم حضرت محمد ﷺ نے عالم انسانیت کو عدل و انصاف اور مساوات کا یہ مثالی نظریہ تاریخ انسانی کے اس دور میں عطا فرمایا جب شاہانہ حکومتوں میں بادشاہ اور شاہی خاندان کے افراد قانون کی زد سے مستثنیٰ تصور کیے جاتے تھے۔ مگر عدل مصطفویؐ کا یہ عالم تھا کہ ہر قانون الٰہی کی تعمیل کا اصل نمونہ اس کا رسول اور اہل بیت رسول تھے۔

فاطمہ بنت مخزوم کے مشہور مقدمہ سرقہ کے بارے میں پیغمبر عدل و انصاف اور مساوات انسانی کے علمبردار ﷺ نے فرمایا!

انّما اہلک من کان قبلکم أنھم یقیمون الحّد علی الوضیع ویترکون الشریف' والّذی بیدہ لو فاطمة (بنت محمدﷺ) فعلت ذٰلک لقطعت یدھا[42]۔

تم سے پچھلی امتیں (اقوام) اس لئے تباہ ہوئیں کہ وہ لوگ کمتر درجہ (کم حیثیت) کے مجرموں کو سزا دیتے اور اونچے درجہ والے (صاحب حیثیت و ثروت) افراد کو چھوڑ دیتے تھے۔ قسم ہے اس ذات کی جس کے قبضے میں میری جان ہے اگر فاطمہ (بنتِ محمد ﷺ) بھی چوری کرتی تو میں ضرور اس کا ہاتھ کاٹ دیتا۔

رسول اکرم ﷺ نے انسانی تاریخ کے مثالی عدل و انصاف اور انسانی مساوات کے نظریہ کے تحت جو مملکت قائم کی' انسانی سوسائٹی کی تشکیل' اسلامی حکومت کے قیام اور اسلام کے نظام عدل و انصاف کے عملی نفاذ کے لئے جو انقلابی اور تاریخی کارہائے نمایاں انجام دیئے ان کا مختصر سے مختصر اور جامعیت کے ساتھ اجمالی تعارف کراتے ہوئے مولانا حامد انصاری[۴۳] لکھتے ہیں!

۱۔ حکومت کی ہستی کو تمام بے فائدہ نمائشوں' تباہ کن جعلسازیوں اور سرمایہ دارانہ آزمائشوں اور آرائشوں سے پاک وصاف کیا اور قدرت کے قابل عمل قوانین کو حقیقی عدل اور سچے اعتدال کے ساتھ نافذ کر کے دکھایا۔ دنیا کے دائرے میں حکومت کو عوام کی چیز بنایا اور عوام کے اختیار کو اس کے سیاسی مزاج میں داخل کیا۔

۲۔ شہنشاہیت کے نظریئے کو عقیدہ و عمل کی دنیا سے خارج کر کے حکومت کو "ریاست عامہ" قرار دیا۔ اور اس کی فطرت میں اس درجہ سادگی کو داخل کیا جس کی وجہ سے تاج و تخت' قصور و محلات' حاجب و دربان' حشم و خدم' بڑی بڑی تنخواہوں والے حکام ختم ہو گئے۔

۳۔ انصاف کی حقیقت کو نافذ کیا جس سے انصاف کا حصول آسان اور خود انصاف سستا ہو گیا۔ انصاف کا مقصد ٹھہرا کمزور کی حمایت اور فریقین مقدمہ کی باہمی صلح اور اصلاح۔

۴۔ آپ ﷺ نے انسانی حقوق کی مساوات کا اعلان کیا۔

۵۔ اجتماعی کوششوں سے حاصل ہونے والے سرمایہ دولت (بیت المال) کو عوام کی دولت قرار دیا۔

۶۔ آپ ﷺ نے انتظامی حلقے قائم کئے' مدینے کو دارالسلطنت بنایا' اطراف کے لئے حکام کا تقرر کیا اور تقرر کا معیار یہ قرار پایا کہ کیرکٹر اوّل درجہ کا ہو کام کی اہلیت ہو' علم سے بہرہ مند ہو' اور حاکم رائے عامہ کے مطابق مفاد عامہ کے لئے کام کرے۔

۷۔ آپ ﷺ نے شوریٰ کو سلطنت کے کاموں کی روح قرار دیا' حکومت کے مزاج میں مرکزیت' قوت اور استحکام پیدا کرنے کے بعد حکم دیا کہ کام شوریٰ سے طے کئے جائیں۔

۸۔ آپ ﷺ نے افواج کی تنظیم کی۔ جنگ میں انسانیت کے طریقوں کو جاری کیا' فتح میں انسانی خون کی قدر و قیمت کی حفاظت کی اور صلح کے وقت معاہدوں کے لئے نیا معیار قائم کیا۔

۹۔ آپ ﷺ نے انسانی سوسائٹی کے لئے فطری مذہب کے اصولوں کو لازمی گردانا' اخوت کے قانون کو حکمت عملی کے رنگ میں پیش کر کے دکھایا۔

۱۰۔ بین الاقوامی معاملات کی درستی کے لئے سلاطین، امراء اور والیان ریاست کو فرامین لکھے اور سب کو ایک اللہ کے نام پر جمع ہونے کی دعوت دی۔

مختصر یہ ہے کہ پیغمبری، سیاست اور حکومت کا کوئی شعبہ ایسا نہیں تھا جس کے لئے آپ ﷺ نے کوئی اصول اور قانون نہ پیش کیا ہو۔[۴۳]

مذکورہ تاریخی حقائق اس امر کی نشاندہی کرتے نظر آتے ہیں کہ محسنِ انسانیت، سرورِ کونین حضرت محمد ﷺ نے "ریاستِ مدینہ" کے قیام اور اپنے مثالی فلسفۂ عدل و مساوات سے سماجی انصاف اور عدل کی بالادستی کا وہ مثالی تصوّر پیش کیا، جس کی بنیاد پر اسلامی معاشرے میں عدل و مساوات اور قانون کی حکمرانی کا اصول وضع ہوا، اس لیے کہ کوئی بھی منظم معاشرہ سماجی انصاف، بے لاگ عدل، قانون کی حکمرانی اور ایک آئینی و دستوری ریاست کے بغیر قائم نہیں کیا جاسکتا۔ چناں چہ ہجرتِ مدینہ کے بعد مدنی دور میں مثالی اسلامی فلاحی ریاست جسے "ریاستِ مدینہ" کے نام سے یاد کیا جاتا ہے، اس کا قیام آپؐ کی اولین ترجیح رہا۔

آپؐ کی قائم کردہ "ریاستِ مدینہ" معاشرے کے ہر فرد کو بلا تفریق مذہب و ملّت عدل کی بالادستی اور قانون کی حکمرانی کے حوالے سے ہر لحاظ سے ممتاز اور منفرد مقام کی حامل نظر آتی ہے، جس کی نظیر حکمرانی کی پوری تاریخ میں نہیں ملتی۔

دورِ رسالتؐ میں سماجی انصاف اور عدل کی بالادستی آپ ﷺ کا وہ عظیم تاریخی کارنامہ ہے، جس کا مطالعہ اور اس سے متعلق حقائق و تفصیلات کا جائزہ ہر دور کے انسان پر اسلام اور پیغمبر اسلام ﷺ کی عظمت کے ہزاروں باب وا کرتا ہے۔ بلاشبہ تاریخ عالم میں سماجی انصاف اور عدل کی بالادستی کے حوالے سے ایسا مثالی تصور اور موثر انقلابی اقدامات کہیں نظر نہیں آتے، جس کی بنیاد پر اسلام کے نظامِ حکمرانی اور اسلامی قانون میں سماجی انصاف اور عدل کی بالادستی، ریاست اور اسلامی معاشرے کے لیے لازم و ملزوم قرار پائے، جن کے بغیر اسلامی ریاست اور اسلامی معاشرے کا تصور بھی محال ہے۔

حواشی و حوالہ جات

1- ابوالحسن علی ندوی، مولانا، انسانی دنیا پر مسلمانوں کے عروج و زوال کا اثر، کراچی، مجلس نشریات اسلام، ۱۹۷۴ء، ص ۹۸

2- محمد حمید اللہ، ڈاکٹر، رسول اکرمؐ کی سیاسی زندگی، کراچی، دارالاشاعت، ۱۹۸۷ء، ص ۳۲۳

DENISON. J.H/ EMOTION AS THE BASIS OF CIVILIZATION, LONDON. 1928 P.265-3

4- محمصانی، صبحی صالح، ر فلسفہ شریعت اسلام' مترجم محمد احمد رضوی' لاہور، مجلس ترقی ادب ۱۹۸۵ء، ص۶

5-(محمد حمید اللہ، ڈاکٹر ر خطباتِ بہاولپور' اسلام آباد، ادارہ تحقیقاتِ اسلامی ۱۹۹۲ء، ص ۳۴۱

6- النساء ۱۰۵/۴

7- "حلف الفضول" "حلف" یہ لفظ "ح" کے زیر زبر دونوں طرح استعمال ہوتا ہے اور حلف کے معنی قسم کے علاوہ معاملے کے بھی ہیں (اردو دائرہ معارفِ اسلامیہ، لاہور، دانشگاہ پنجاب ۱۹۷۳ء، جلد ہشتم ص ۵۱۲۔ علامہ فیروز آبادی "معاہدہ حلف الفضول" کی وجہ تسمیہ بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں!

"وقد سمت قریش ھٰذا حلف الفضول لأنھم تحالفوا علی أن لا یترکوا عند أحد فضلا یظلمہ أحدا (ألاّ یترکون بقیۃ حق لمظلوم عند ظالمہ) اِلا اخذوہ لہ منہ "۔

8- الفیروز آبادی ر القاموس المحیط، قاہرہ، المطبعۃ الحسینیۃ' ۱۹۱۳، ۳۱/۴

قریش نے اس حلف کو "حلف الفضول" کے نام سے اس لئے موسوم کیا کہ انہوں نے یہ حلف اٹھایا تھا کہ وہ کسی کے پاس کسی کا حق نہیں چھوڑیں گے کہ وہ کسی پر ظلم کر سکے۔ (یعنی کسی مظلوم کا حق ظالم کے پاس نہیں چھوڑیں گے) لیکن اسے ہر حال میں واگزار کرائیں گے۔ علامہ شبلی نعمانی نے "حلف الفضول" کی وجہ تسمیہ یہ بیان کی ہے !اس معاہدے کو "حلف الفضول" اس لئے کہا جاتا ہے کہ اس معاہدے کا خیال اوّل اوّل جن لوگوں کو آیا ان کے نام میں لفظ "فضیلت" کا مادہ داخل تھا یعنی! فضیل بن حارث' فضیل بن واعہ' اور مفضل۔ (شبلی نعمانی ر سیرت النبی صلی اللہ علیہ وسلم، لاہور، مکتبہ مدنیہ ۱۴۰۸ھ' ۱۱۶/۱، مولانا ابوالکلام آزاد "حلف الفضول" کی وجہ تسمیہ ذکر کرتے ہوئے لکھتے ہیں! "حلف الفضول" کے بارے میں ایک توجیہ یہ کی گئی ہے کہ عربی میں "حق" کو "فضل" بھی کہتے ہیں جس کی جمع "حقوق" یا معاہدہ حفظ حقوق ہے (ابوالکلام آزاد ر رسول رحمتؐ، لاہور، شیخ غلام علی اینڈ سنز، ص ۷۰(

9- محمد حمید اللہ، ڈاکٹر ر رسول اکرمؐ کی سیاسی زندگی، ص ۵۸

10- عمر فروخ ر تاریخ الجاھلیۃ، بیروت، دار العلم ۱۹۶۴ء، ص ۱۳۲

11- امیر علی ر روح اسلام، لاہور، مترجم محمد ہادی حسین' ادارہ ثقافت اسلامیہ ۱۹۹۲ء، ص ۸۷

11- ابن سعد، ابو عبد اللہ محمد ر الطبقات' بیروت، دار صادر' ۱۲۸/۱' ۱۲۹، نیز دیکھئے! ڈاکٹر عمر فروخ ر تاریخ الجاھیلۃ ص ۱۳۲

12- محمد حمید اللہ، ڈاکٹر ر عہد نبویؐ میں نظام حکمرانی، کراچی، اردو اکیڈمی سندھ' ۱۹۸۷ء، ص ۱۴۴

13- سہیلی، ابو القاسم، عبد الرحمن بن عبد اللہ ر روض الأنف، قاہرۃ، مکتبہ الکلیات الأزھریہ، ۱۵۷/۱

14- ابن سعد، ابو عبد اللہ محمد ر الطبقات ۱۲۸/۱

15- امیر علی / روح اسلام، ص۸۷‘ص۸۸

16- ابن الأثیر، ابوالحسن علی بن محمد بن عبد الکریم بن عبد الواحد شیبانی جزری / الکامل فی التاریخ، بیروت، دار الکتاب، ۱۹۸۳ء، ۶/ ۴۱

17- منصور پوری، قاضی محمد سلیمان / رحمۃ للعالمین، کراچی‘ دارالاشاعت، ۱/ ۷۴

18- محمد حمید اللہ، ڈاکٹر / عہد نبویؐ میں نظام حکمرانی ص ۶۴‘

19- آل عمران ۳/ ۱۸

20- النساء ۴/ ۱۰۵

21- محمد حمید اللہ، ڈاکٹر / خطبات بہاولپور، ص ۲۳۳

22- ایضاص ۳۴۲

23- محمد حمید اللہ، ڈاکٹر / عہد نبویؐ میں نظام حکمرانی، ص۲۲۸

24- محمد حمید اللہ، ڈاکٹر، خطبات بہاولپور، ص۲۴۹

25- محمد حمید اللہ، ڈاکٹر / عہد نبویؐ میں نظام حکمرانی، ص ۸۲‘ص ۸۳‘

26- ایضاً (حوالہ سابقہ) ص ۱۵۳‘ص ۱۵۴

27- محمد حمید اللہ، ڈاکٹر / خطباتِ بہاولپور، ص۲۳۸

28- محمد حمید اللہ، ڈاکٹر / عہدِ نبویؐ میں نظامِ حکمرانی، ص۱۵۹

29- محمد حمید اللہ، ڈاکٹر / خطبات بہاولپور، ص ۴۱۴‘ص ۴۱۵

30- جان بیگٹ / محمد رسول اللہ ﷺ، مترجم حبیب حیدر آبادی‘ کراچی، سٹیزن پبلشرز، ص ۵۳۴

31- برکات احمد / رسولِ اکرمؐ اور یہودِ حجاز، مترجم ڈاکٹر مشیر الحق ندوی‘ لاہور، مکتبہ عالیہ، ۱۹۸۹ء، ص ۸۲

32- محمد حمید اللہ، ڈاکٹر / خطبات بہاولپور، ص ۳۴۷

33- محمد حمید اللہ، ڈاکٹر / عہدِ نبوی میں نظام حکمرانی / ۱۵۵۔۱۵۷‘ نیز مقدمات کی تفصیلات اور عدالتی نظائر کے لیے دیکھئے! حاشیہ کتاب مذکور / ۱۵۵۔۱۵۶ حوالہ سابقہ ص ۹۵

34- محمد حمید اللہ، ڈاکٹر/ خطباتِ بہاولپور، ص۲۴۹

35- البلاذری، احمد بن یحییٰ بن جابر البلاذری/ فتوح البلدان' قاہرہ، دارالنشر ۱۹۵۷ء، ص ۲۷

نیز معاہدۂ نجران کے متن اور دیگر تفصیلات کے لئے دیکھئے: محمد حمید اللہ، ڈاکٹر/ الوثائق السیاسیہ فی العہد النبویؐ، قاہرہ، مطبعہ لجنۃ التالیف والترجمہ، ۱۹۴۱ء، ۸۰،۸۱

36- ابن حجر عسقلانی/ فتح الباری، بیروت، دارالمعرفۃ، ۴۹/۸

37- بخاری، محمد بن اسماعیل/ الجامع الصحیح' کراچی، نور محمد اصح المطابع، باب علامات النبوۃ

38- EDWARD A. FREEMAN/ THE HISTORY AND CONQUESTS OF THE SARACENS, P.31, LONDON. 1871

39- محمد حمید اللہ، ڈاکٹر/ رسول اکرمؐ کی سیاسی زندگی، ص ۸۲' ص ۸۳

40- محمد حمید اللہ، ڈاکٹر/ عہدِ نبویؐ میں نظام حکمرانی، ص ۱۷۵

41- ایضاً حوالہ سابقہ، ص ۱۷۵

42- بخاری، محمد بن اسماعیل، الامام / الجامع الصحیح، کتاب الحدود، باب اقامۃ الحدود علی الشریف والوضیع، کراچی، قدیمی کتب خانہ، ۱۰۰۳/۲

43- حامد انصاری، غازی، مولانا/ اسلام کا نظام حکومت، لاہور، مکتبہ عالیہ، ۱۹۸۷ء، ص ۹۶' ص ۹۷۔